اسلامی شریعت میں فتوی علی مذہب الغیر کا قضیہ: مفتی تقی عثمانی کے افکار کا ایک علمی جائزہ

The issuance of the juristic ruling in accordance with other schools of thought in Islamic Shari'a: An analytical case study of Mufti Taqi Usmani views

ڈاکٹر فیصل محمود[۱] ڈاکٹر عبید الرحمٰن[۲] عادل خان[۳]

Abstract:

Veteran experts of Islam have used the fundamental sources of Islam comprehensively employing the notion of Ijtihad that has led to the accumulation of literature of Shariah which has guided humanity in all ages mainly to find the solution to their problems. Various Ijtihad-based efforts resulted in the emergence of four renowned schools of fiqh (i.e. Hanafi, Shafa'e, Maliki and Hanbali). However, the Ulama (experts) who followed these four schools have restricted themselves in general matters to only one of them. On the contrary, an international/ global trend is emerging which considers that holding allegiance to only one school of thought deprived us of the knowledge

[۱] لیکچرر اسلامیات (وزٹینگ)، نمل یونیورسٹی، اسلام آباد

[۲] لیکچرر، دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

[۳] اسسٹنٹ پروفیسر اسلامیات، جامعہ عبد الولی خان، مردان

of expertise of the other schools. Therefore, it is necessary that a Mufti should not restrict himself to only one school of thought rather he should benefit from other schools too. On this issue, the distinguished expert and jurist, Mufti Taqi Usmani holds a significant view point that needs to be analyzed in this paper. As he has a great influence in the country (Pakistan); therefore, the paper is focused to review the approaches adopted by him towards consultation of other schools of thoughts in issuing fatwas (Islamic legal pronouncement or ruling). The objective of this paper is to find practicable solution to contemporary application of the classic schools of Islamic jurisprudence.

Key Words: Taqi Usmani ،Shariah، notion, Ijtihad،based. Hanafi, Shafa'e, Maliki, juristic, ruling, Ulama,, Fatwa,

تمہید:

پاکستانی معاشرے میں مفتیان کرام سے اپنے مسائل میں دینی رہنمائی کے لیے فتویٰ لینے کا رجحان پایا جاتا ہے، مفتیان کرام گو کہ دیگر مکاتب فکر (شافعی، مالکی و حنبلی) کو بھی درست اور حق پر مبنی مکاتبِ فکر قرار دیتے ہیں لیکن ایک مخصوص فقہی مذہب کی تقلید کی پابندی کے اصول پر فقہ حنفی ہی کی بنیاد پر فتوی صادر کرتے ہیں اور دوسرے فقہی مذاہب کے مطابق فتوی دینے سے نہ صرف گریز کرتے ہیں بلکہ اِسے اچھی نگاہ سے بھی نہیں دیکھتے۔ دوسری طرف عالمی سطح پر اِس فکری رجحان کو پذیرائی مل رہی ہے کہ معاصر تقاضوں اور فرد و معاشرے کے مصالح کی بنیاد پر دیگر مذاہب فقہیہ کو بھی مد نظر رکھتے ہوئے افتاء میں گریز کے بجائے اُن سے استفادہ کا رجحان اختیار کیا جائے اور ضرورت وحاجت کی بنیاد پر فتوی علی مذہب الغیر (دوسرے فقہی مذہب کے مطابق فتوی دینے) میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ کی جائے۔ مفتی تقی عثمانی اندرون

ملک کے ساتھ ساتھ بیرون مسلم ممالک میں بھی افتاء کے میدان میں ایک معتبر مقام رکھتے ہیں[1]۔

اس مضمون میں اس بات کا علمی جائزہ پیش کیا گیا ہے کہ علامہ تقی عثمانی فتوی علی مذہب الغیر کے بارے میں کیا رجحان رکھتے ہیں۔ اس مضمون کا مقصد یہ ہے کہ ملک کے مفتیان کرام کے سامنے فتوی علی مذہب الغیر کے معاملے میں ایک معقول اور معتدل ضابطہ کار ترتیب دینے میں ایک مثبت مکالمہ کی طرف پیش قدمی کی جاسکے۔ مقالہ ہذا درج ذیل ذیلی مباحث پر مشتمل ہے:

مبحث اول: قضیہ بحث کا پس منظر و تعارف

مبحث دوم: مختلف مذاہب فقہیہ کے بارے میں مفتی تقی عثمانی کا اساسی بیانیہ

مبحث سوم: مقلّد مفتی کے لیے عام حالات میں دستورِ افتاء

مبحثِ چہارم: مقلّد مفتی کے لیے مفتی تقی عثمانی کا فتوی علی مذہب الغیر کے لیے بیان کردہ شرائط

مضمون کا خلاصہ

مبحث اول: قضیہ بحث کا پس منظر و تعارف

اسلامی تصور عدل کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ نفاذِ عدل کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ امت مسلمہ کو عدل اجتماعی کے حکم کے ساتھ ساتھ معاشرے کے ایک ایک فرد کو اپنے وجود سے لے کر والدین، خاندان، معاشرہ اور عام انسانوں تک بلا تفریق مذہب و نسل عدل برتنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے لیے اسلام نے ایک سے زائد ادارے وضع کیے ہیں، یہ ادارے مختلف النوع ہیں لیکن اِن کے قیام کا مقصد ایک ہی ہے یعنی

فرد اور اجتماع کی بروقت رہنمائی کرتے ہوئے انہیں بلامعاوضہ عدل و انصاف فراہم کرنا، معاشرے میں توازن پیدا کرنا اور اسے قائم رکھنا۔عدل ذاتی و اجتماعی کے اسلامی اداروں میں ابتدائی مگر ایک اہم ادارہ افتاء کا ہے، اس ادارے کے ذریعے نہ صرف انفرادی طور پر دینی مسائل کا حل ملتا ہے بلکہ اسلامی معاشرے کے بہت سے تنازعات مفتی کی رائے ہی سے طے ہو جاتے ہیں، نہ کسی عدالتی فیس کی ضرورت پڑتی ہے نہ وکیل کی، اور نہ وقت کا ضیاع ہوتا ہے۔ لوگ اپنے مسائل دیانت داری سے مفتی کے سامنے بیان کرتے ہیں یا تحریراً پیش کرتے ہیں، مفتی قرآن و سنت، آثار اور فقہاء کی آراء کی روشنی میں اپنی رائے دیتا ہے، لوگ یہ رائے قبول کرتے ہیں۔[۲]

وطن عزیز میں مسلم معاشرے کے وہ افراد جو اپنے خانگی، سماجی و معاشرتی مسائل اسلامی شریعت کے تحت حل کرنا چاہتے ہیں، افتاء کا ادارہ ان کے لیے ایک قابل اعتماد مرکز ہے۔ تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ عام لوگ مختلف فقہی مذاہب کے مابہ الافتراق یا اپنے ہی فقہی مذہب کے اصول و ضوابط اور مسائل کا معتد بہ تو کیا، تعارفی ادراک بھی نہیں رکھتے۔ ان کا مقصد صرف شریعت کی رہنمائی حاصل کرتے ہوئے اس پر عمل درآمد کرنا ہوتا ہے، اُن کا مقصدِ وحید یہ ہوتا ہے کہ اُن کا عمل شریعت کے خلاف نہ ہو۔ مفتی اگر فتوی دیتے ہوئے ایک مخصوص فقہی مذہب کے قدیم جزئیات کو ہی مد نظر رکھ کر فتوی دے تو بسا اوقات دشواری کی صورت حال پیدا ہو جاتی ہے۔ اِن حالات کو دیکھ کر عالم اسلام میں یہ ایک رجحان سامنے آرہا ہے کہ اس تمام فقہی سرمایہ

سے استفادہ کرنا چاہیے جو ہمارے اسلاف (جن کو امت تعظیم و تکریم کی نگاہ سے دیکھتی ہے) نے ہمارے لیے چھوڑا ہے۔ ڈاکٹر وہبہ زحیلی کے بقول شریعت کی نگاہ میں ایسا جمود محمود نہیں جو کسی ایک فقہی مذہب پر پابندی کی وجہ سے تنگی کا باعث ہو[۳] کیونکہ قرآن نے امت مسلمہ کے افراد کو اہل علم کی طرف رجوع کا حکم دیا ہے لیکن کسی خاص فرد کی پابندی کو ضروری قرار نہیں دیا ہے[۴]۔ قرآن کے بعد خود حضور اکرم ﷺ کی قولی اور فعلی سنت سے بھی اس بات کی طرف رہنمائی ملتی ہے کہ جب کسی معاملے میں آنحضرت ﷺ کے سامنے دو راستے ہوتے تو آپ ﷺ ان میں سے آسان ترین کو اختیار فرماتے بشرطیکہ وہ گناہ کا عمل نہ ہوتا[۵]۔ آپ ﷺ اپنی امت کے لیے آسانی کو پسند فرماتے تھے چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں سادہ آسان ترین چیز کے ساتھ بھیجا گیا ہوں[۶]۔ اپنے عمل کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ نے امت کو اپنے قول کے ذریعہ بھی تاکید کی ہے کہ آسانی پیدا کرو اور سختی پیدا نہ کرو[۷]۔ اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا کہ دین آسان ہے اور جو شخص دین میں سختی ہی اختیار کرے گا تو دین اس پر غالب آجائے گا[۸] یعنی سختی و شدت کے تقاضوں کو وہ مسلمان پورا نہیں کر پائے گا۔

مذکورہ بالا تمام امور کو دیکھ کر عالمی طور پر افتاء کے میدان میں یہ ایک معاصر قضیہ سامنے آرہا ہے کہ کیا مختلف مذاہب فقہیہ میں صرف ایک ہی مذہب پر جمود کا عمل اپنایا جائے یا عصری تقاضوں اور فرد و معاشرے کی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے تیسیر، عدم حرج اور مقاصد شریعت کے بنیادی

اصولوں کے تحت مسائلِ فقہیہ کی ترتیب کا کام سرانجام دیا جائے[9] اور اس طرح سلف صالحین نے جو فقہی سرمایہ مرتب کیا ہے، اُس سارے سرمایہ سے استفادہ کرتے ہوئے فقہ الایسر کی بنیاد پر قدیم فقہی اثاثے کی ترتیب کے کام پر غور ہو۔ زیر نظر مضمون میں اس مباحث (تمام فقہی مذاہب سے استفادہ) کے صرف ایک زاویے "فتوی علی مذہب الغیر" کے سلسلے میں مولانا تقی عثمانی کے موقف کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

مبحث دوم: مختلف مذاہب فقہیہ کے بارے میں مفتی تقی عثمانی کا اساسی بیانیہ

مولانا تقی عثمانی تقلید جامد اور کسی فقہی مذہبی تعصب کے بغیر تمام مذاہب فقہیہ کو شریعت اسلامی کی تعبیر کا ایک حسین گل دستہ خیال کرتے ہیں اور شریعت اسلامی کو کسی ایک مخصوص فقہی مذہب میں منحصر نہیں سمجھتے، چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

> "...فالمحقق أنّ جميع مذاهب المجتهدين تفسيرات للشريعة نفسها، لا سبيل للطّعن في أحدٍ منها، لأنّ كلَّ مجتهدٍ بذل ما في وُسعه من جهدٍ للوُصول إلى مراد النُّصوص، واستخراجِ الأحكام منها. **فليستِ الشريعةُ مُنحصرة في مذهب إمامٍ واحدٍ**، بل كلُّ مذهب جزء من أجزاءِ الشريعة، وطريقة من طُرق العملِ بها، **وإنما الشرع المنزّل دائر بين سائر المذاهب، ومن ظنَّ أنَّ الشريعة منحصرة في مذهب واحد من هذه المذاهب، فإنه مخطيء بيقين".**[10]

ترجمہ: "ثابت شدہ بات یہ ہے کہ تمام مجتہدین کے فقہی مذاہب شریعت ہی کی مختلف تعبیرات ہیں اور اِن مذاہب میں کسی ایک پر بھی انگلی اٹھانے کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ دینی نصوص کے مراد تک رسائی اور اُن سے احکام نکالنے میں ہر مجتہد نے اپنی مکمل طاقت کو استعمال کیا ہے چنانچہ شریعت کسی ایک امام کی طرف

> منسوب مذہب میں منحصر نہیں ہے بلکہ ہر فقہی مذہب شریعت کے اجزاء میں سے ایک جز ہے (گویا یہ تمام اجزاء باہم مل کر شریعت کی مجموعی عمارت قائم کرتے ہیں) اور ہر مذہب شریعت پر عمل کرنے کے راستوں میں سے صحیح راستہ ہے۔ بطور خلاصہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اللہ کی نازل کردہ شریعت اِن تمام فقہی مذاہب کے اندر دائر ہے لہذا جو شخص یہ گمان کرے کہ شریعت اِن میں سے کسی ایک مخصوص مذہب ہی میں ہے تو یقیناً ایسا شخص غلط ہے"۔

ملحوظ رہے کہ اوپر درج کردہ عربی عبارت میں سے جن کلمات کو زیادہ واضح انداز سے لکھا گیا ہے، ان کی اہمیت کے پیش نظر مفتی تقی عثمانی کی کتاب میں بھی انہیں اسی طرح زیادہ واضح طور پر لکھا گیا ہے۔

مذکورہ اساسی بیانیہ کا علمی جائزہ

اگر مذکورہ اساسی بیانیہ کی تحلیل کی جائے تو یہ حقائق سامنے آتے ہیں کہ: تمام فقہی مذاہب اسلامی شریعت کے قابل قبول مختلف تعبیرات ہیں۔ شریعت کسی ایک ہی فقہی مذہب میں منحصر نہیں۔ تمام فقہی مذاہب حق ہیں اور اُن میں کسی ایک پر بھی کسی قسم کا طعن نہیں کیا جاسکتا یا کم تر درجے کا قرار نہیں دیا جاسکتا ہے۔ یہ مذاہب شریعت پر عمل کرنے کے مختلف صحیح راستے ہیں لہذا اِن میں سے کوئی شخص جس راستے کو بھی اختیار کرے تو یہی کہا جائے گا کہ اُس نے بالکل درست راستہ کو اختیار کیا ہے۔

مبحث سوم: مقلّد مفتی کے لیے عام حالات میں دستورِ افتاء

مختلف مذاہب فقہیہ کے متعلق اساسی بیانیہ کے ساتھ ہی آپ نے یہ عمومی اصول بتایا ہے کہ مقلد مفتی اپنے مذہب کے مطابق فتوی دے تاہم مفتی کے لیے ضروری ہے کہ وہ تقلید کے فلسفہ کو بھی مد نظر رکھے، آپ فرماتے ہیں کہ:

"الأصل للمفتي المقلد ألا يفتي إلا بمذهب إمامه حسب القواعد التي ذكرناها عن (عقود رسم المفتي) ، و لكن الذي يجب ألا يغفل عنه ما فصلنا في مبحث التقليد و التمذهب من أن تقليد إمام معين فتوى مبنية على سدّ الذرائع و المصالح الشرعية لئلا يقع الناس في اتباع الهوى ، فإن التقاط رخص المذاهب بالهوى و التشهي حرام". "

ترجمہ: "تقلید کرنے والے مفتی کے لیے اصول تو یہ ہے کہ وہ اپنے امام کے مذہب کے مطابق اُن اصولوں کے تحت فتوی دے جو ہم نے عقود رسم المفتی سے نقل کیے ہیں لیکن اِس کے ساتھ ہی وہ اس بنیادی بات سے بھی غافل نہ ہو جو ہم نے تقلید اور ایک مذہب کو اختیار کرنے کے تحت تفصیل سے بیان کیا ہے کہ فتوی دیتے ہوئے ایک معین امام کی تقلید کا دارو مدار اس بات پر ہے کہ اس کے ذریعہ سے لوگوں کے خواہشِ نفس میں پڑنے کے لیے رکاوٹ پیدا ہو اور مصالحِ شرعیہ کی تکمیل ہو۔بے شک مختلف فقہی مذاہب میں جو آسانیاں ہیں، ان کو از روئے خواہش نفس و چاہت اختیار کرنا حرام ہے"۔

مذکورہ بیان کا علمی جائزہ لینے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ افتاء میں تقلید اور ایک مخصوص فقہی مذہب کی پابندی کے بارے میں مولانا تقی عثمانی کے بیان کردہ فلسفہ یا پسِ منظر کو مد نظر رکھا جائے جس کی طرف اوپر ذکر کردہ آپ کی عبارت میں اشارہ کیا گیا، آپ فرماتے ہیں:

"شروع سے ہی لوگ جن مسائل میں ضرورت محسوس کرتے تو علماء کی طرف رجوع کرتے کیونکہ لوگ خود اِس کی استعداد نہیں رکھتے کہ وہ اصل مآخذ شریعت سے احکام کا استنباط کر سکیں لہٰذا ضروری تھا کہ اُن اہل علم کی طرف رجوع کریں کہ جن کو ان احکام کی معرفت تھی کیونکہ اسی طریق کار کا اللہ تعالیٰ نے میں حکم دیا ہے"[۱۲]۔ مفتی کے علم و تقوی پر یقین کی وجہ سے لوگ اُن سے اُن کے قول پر کسی دلیل کا بھی مطالبہ نہیں کرتے تھے۔ اصطلاح میں اسی کو تقلید کہتے ہیں کیونکہ تقلید کا مطلب ہی علماء کے نزدیک یہ ہے کہ کسی کی بات دلیل جانے بغیر یا دلیل کا مطالبہ کیے بغیر تسلیم کی جائے۔

خیر القرون میں اس بات کی بھی پابندی نہیں کی جاتی تھی کہ بس ایک مخصوص عالم ہی سے فتوی لیا جائے اور اُس کے علاوہ علاقے میں موجود دوسرے اہل افراد سے فتوی لینے کو جائز نہ سمجھا جائے۔ تاہم علاقے میں کئی اہل علم موجود ہونے کے باجود لوگ اپنے مسائل میں عموماً اُس عالم کی طرف رجوع کرے جس پر انہیں باقی

علماء کے مقابلے میں زیادہ اعتماد ہوتا۔ چنانچہ بخاری میں عکرمہ کی روایت ہے کہ مدینہ والوں نے ابن عباس سے پوچھا کہ اگر ایک عورت کو حیض آئے تو کیا وہ طوافِ زیارت کے بعد طوافِ وداع کو چھوڑ کر اپنے وطن واپس کی جاسکتی ہے؟ ابن عباس نے جواب دیا کہ ہاں جاسکتی ہے۔ اِس پر انہوں نے کہا کہ اِس معاملہ میں ہم زید بن ثابت کے قول کو چھوڑ کر آپ کے قول کو اختیار نہیں کریں گے ۔ ایک روایت کے مطابق انہوں نے کہا کہ ہمیں اس کی پرواہ نہیں کہ آپ اس مسئلہ میں ہمیں فتوی دیں یا نہ دیں کیونکہ زید بن ثابت کا کہنا ہے کہ عورت طوافِ وداع چھوڑ کر وطن نہیں جائے گی۔ بعد ازاں جب حضرت زید بن ثابتؓ کو حضرت ابن عباسؓ کے ذریعہ اِس واقعہ کی خبر معلوم ہوئی کہ نبی کریم ﷺ نے اُم سُلیم انصاریہ کو حیض کے ایسے ہی مسئلہ میں گھر لوٹ جانے کا حکم دیا تھا تو زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ابن عباس کے قول کی طرف رجوع کیا اور ان کے رجوع کے بعد اہل مدینہ نے بھی اس پر عمل روک دیا کہ عورت ایسی صورت میں واپس گھر لوٹ جائے۔ [۱۳]

اعتماد وثوق کی ایک مثال وہ روایت بھی ہے جو امام احمد بن حنبل نے ذکر کی ہے جس میں ابو مسلم خولانیؒ [۱۴] فرماتے ہیں کہ میں دمشق کی مسجد میں آیا تو ایک حلقہ کو دیکھا جس میں عمر رسیدہ صحابہ موجود ہیں (ایک روایت میں اِن عمر رسیدہ صحابہ کی تعداد تیس بتائی گئی ہے)

اور تو ان میں ایک جوان ہے جو سرمگیں آنکھوں اور چمک دار دانتوں والا ہے، جب اہل مجلس کا آپس میں کسی مسئلہ پر باہم اختلاف ہو جاتا تو وہ اُس جوان کی طرف رجوع کرتے، میں نے اپنے ہم نشین سے پوچھا کہ یہ جوان کون ہے؟ تو اس نے کہا کہ یہ معاذ بن جبل ہیں۔[۱۵]

الحاصل یہ ہے عام رجحان یہ تھا کہ جس شخصیت پر لوگوں کو اعتماد ہوتا، اس کی طرف رجوع کرتے اور اس کے فتوی کو دوسروں کے فتاوی پر ترجیح دیتے۔ فقہی مذاہب یا مذہبی مسائل اس وقت تک مرتب انداز سے باقاعدہ تدوین نہیں ہوئی تھی اس لیے بعض افراد کا یہ طریقہ بھی تھا کہ کسی ایک ہی مفتی سے فتوی لینے کی پابندی نہیں کرتے، انہیں جو بھی مفتی میسّر آتا اُس سے فتوی لے لیتے۔ اس وقت فقہی مذاہب کی باقاعدہ تدوین نہ ہونے کی بناء پر یہ خطرہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ اپنے خواہش کے مطابق مسئلہ کا جواب حاصل کرلے، ہاں جب چاروں فقہی مذاہب کی باقاعدہ تدوین ہوگئی اور ہر فقہی مذہب کی کتابیں تصنیف ہوئیں اور اُن کی تدریس و تعلیم کے مدارس قائم ہوئے تو ہر مذہب کے اقوال و مسائل سے لوگوں کو واقفیت حاصل ہوئی۔ ایسی صورت میں اگر ہر ایک کو اس بات کی اجازت دی جائے کہ مختلف اوقات میں اپنی مرضی کے مطابق اُن

میں سے جس قول کو بھی چاہے اختیار کر لے تو خواہش نفس کی
پیروی ہو گی جو شریعت کی پیروی نہیں کہلائے گی"۔

ایک عام آدمی چونکہ اس کی صلاحیت نہیں رکھتا کہ فقہاء کے مختلف اقوال کو ادّلہ شرعیہ کے ترازو میں تولے اور اُن کا باہم تقابلی جائزہ لے سکے، اس کے باوجود اگر اسے اس بات کی اجازت دی جائے کہ وہ ان میں سے جس قول کو چاہے اختیار کر لے اور جس کو چاہے چھوڑ دے تو یقینی خدشہ ہے کہ اِس اختیار کے نتیجہ میں کسی قول کو رد کرنے یا اپنانے کی ذاتی خواہش نفس ہو گی اور وہ شرعی دلیل نہیں ہو گی جس پر مسئلہ کی بنیاد کھڑی ہو گی"[١٦]۔

علمی جائزہ:

مذکورہ تفصیلی بیان میں خیر القرون کے بعد عام آدمی کے لیے تقلید اور کسی ایک فقہی مذہب کی پابندی کی حکمت بتائی گئی ہے کہ عام آدمی کی چونکہ ادلّہ شرعیہ پر نظر نہیں ہوتی اور نہ ہی اسے فقہ سے مناسب درجہ کی شناسائی ہوتی ہے، اس لیے اگر اسے مسائل میں اخذ ورد کا اختیار دیا جائے وہ خواہشاتِ نفسانی کا شکار ہو گا۔

مذکورہ بنیاد پر مولانا تقی عثمانی مد ظلہ العالی عام حالات میں مفتی کے لیے یہ ضابطہ قرار دیتے ہیں کہ ایک فقہی مذہب کے مطابق فتوی دیا جائے اور دوسرے مذہب کے مطابق عمومی طور پر فتوی دینے سے گریز ہو۔

اس مقام پر یہ بات قابل توجہ ہے کہ زیرِ بحث قضیہ استفتاء علی مذہب الغیر کا نہیں ہے یعنی ہماری بحث اس بات میں نہیں ہے کہ فتوی طلب کرنے والا اس خواہش کا اظہار کرے کہ اُسے اپنے مذہب کے علاوہ دوسرے مذہب کے مطابق فتوی دیا جائے۔

بلکہ ہمارا قضیہ "افتاء علی مذہب الغیر "کا ہے یعنی مفتی کا از خود دوسرے مذہب کے مطابق فتوی دینے سے متعلق ہے۔ ہماری بحث یہ نہیں کہ کیا ایک عام آدمی کو یہ اختیار ہے کہ وہ چاہے تو اپنے لیے کسی مسئلہ میں از خود ایک خاص فقہی مذہب پر فتوی طلب کرے اور دوسرے دن کسی اور مسئلہ میں دوسرے فقہی مذہب پر فتوی طلب کرے۔ بلکہ ہماری بحث تو سائل کی استفتاء کے بجائے مفتی کے افتاء کے بارے میں ہے۔ مفتی کے لئے اس قسم کی پابندی کے لئے جو بیان بطور مقدمہ ذکر کیا گیا ہے، اس کا تعلق عام آدمی (مستفتی) سے تو بنتا ہے لیکن مفتی سے نہیں، ہاں یہ کہا جاسکتا ہے عام آدمی کے لئے جو صورت حال بیان کی گئی اُسی صورت حال کو مفتی کے لئے مدِ نظر رکھ کر ایک مذہب پر پابندی کا اصول قرار دیا گیا ہے، لیکن یہ بات قابل غور ہے کہ ایسا عمل قیاس مع الفارق کے زمرے میں تو نہیں آئے گا۔

مزید براں مذاہب فقہیہ کے بارے میں حضرت مفتی صاحب کا اساسی بیانیہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ تمام مذاہبِ فقہیہ حق ہیں اور ان میں سے جس فقہی مذہب کو بھی اختیار کیا جائے تو درست ہو گا اور اُن میں سے کسی بھی مذہب کو غلط کہنے والا یقیناً خود غلطی پر ہو گا تو کیا اس بیانیہ کے تحت مفتی کو اس بات کی کھلے دل سے اجازت ملنی چاہیے یا نہیں کہ وہ مستفتی کے معروضی حالات کو سامنے رکھ کر "یُسر" کی بنیاد پر کسی بھی قابل قبول اور معتبر فقہی مذہب کے تحت فتوىٰ دے۔

مذاہب فقہیہ کے بارے میں حضرت مفتی صاحب نے اپنے اساسی بیان کے نتیجے میں یہ فرمایا ہے کہ "ومن هذة الجهة ربّما يجوز للمفتي مذهب واحد أن يختار قول المذهب الآخر للعمل أو الفتوى بشرط أن لايكون ذلك بالتشهي واتباع الهوى"[١٧] (اور

اسی وجہ سے کبھی کبھی ایک مذہب کے مفتی کے لئے دوسرے مذہب کے قول کو عمل فتوی کے کئے اختیار کرنا جائز ہو جاتا ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ یہ ذاتی پسند وخواہشات نفس کی تابع داری کی بناء پر نہ ہو)۔

مذکورہ بیان میں جب "بشرط أن لا يكون ذلك بالتشهي واتباع الهوى" کی پابندی کی مضبوط گرہ لگادی گئی تو پھر مفتی کو دوسرے مذہب کے مطابق فتوی دینے میں ربما (بسااوقات / کبھی کبھی) کی پابندی اور قید بادی النظر میں محلّ نظر ہے۔

مبحثِ چہارم: مقلّدِ مفتی کے لیے مفتی تقی عثمانی کا فتوی علی مذہب الغیر کے لیے بیان کردہ شرائط

مولانا تقی عثمانی صاحب صرف مخصوص حالات میں فتوی علی مذہب الغیر کے قائل ہیں۔ ذیل میں ان مخصوص حالات کا ذکر کیا جاتا ہے جن کے تحت آپ مفتی کو اپنے مذہب سے ہٹ کر دوسرے مذہب کے مطابق فتوی دینے کی اجازت دیتے ہیں۔

ا. ضرورت وحاجت کی بناء پر دوسرے مذہب پر فتوی دینا۔

آپ فرماتے ہیں کہ "أن يكون في المذهب في مسألة مخصوصة حرج شديد لا يطاق، أو حاجة واقعية لا محيص عنها، فيجوز أن يُعمل بمذهب آخر دفعا للحرج و انجازًا للحاجة."[١٨]

> ترجمہ: "اگر کسی خاص مسئلہ مذہب فقہیہ کے مطابق عمل کرنے میں اِس قدر سخت حرج ہو کہ جو طاقت سے باہر ہو یا ایسی واقعی ضرورت ہو کہ جس سے چارہ نہ ہو تو ایسی صورت میں حاجت کی تکمیل اور حرج کے خاتمے کے لئے دوسرے مذہب کے مطابق فتوی دینے کی اجازت ہے"۔

مذکورہ ضابطے کے لئے فقہی سرمایہ سے آپ نے کئی ایک تائیدی مثالیں پیش کی ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

- قرآن کی تعلیم پر اجرت لینے کے لئے احناف کے عدم جواز کے فتوی کی جگہ شوافع کے قول کے مطابق جواز کا فتوی دینا
- مفقود الخبر، نامرد اور بیوی کے خرچے سے انکاری شوہر کے بارے میں فقہ حنفی کی بجائے فقہ مالکی کے مطابق فتوی دینا
- متاخرین علماء احناف کا مسئلۃ الظفر (کہ قرض خواہ اپنے قرض کی وصولی میں مقروض سے جس مال کو بھی پالینے میں کامیاب ہو، اُسے لینے کا اختیار ہے چاہے قرض میں دے گئے مال اور مقروض سے حاصل کیا ہوا مال باہم مخالف جنس رکھتے ہوں) میں شافعی مذہب کے مطابق فتوی دینا۔

حاجت اور عموم بلویٰ کی وجہ سے دوسرے مذاہب کے مطابق دینے میں مولانا تقی عثمانی درج ذیل پانچ شرائط کی رعایت وپابندی ضروری قرار دیتے ہیں:[۱۹]

۱. حاجت واقعی سخت ہو اور حقیقت الامر میں بھی ابتلاء عام ہو، ایسا نہ ہو کہ حقیقت میں تو ابتلاء عام نہ ہو بلکہ محض اِس کا وہم وخیال ہو۔

۲. مفتی اپنے طور پر خود بھی اِس بات کا یقین حاصل کرے کہ واقعی زیر بحث مسئلہ میں شدید ضرورت پیش آچکی ہے، تاکید ویقین حاصل کرنے کے لئے مفتی کسی دوسرے مفتی اور اس میدان کے ماہرین سے مشورہ کر سکتا ہے۔

۳. دوسرے مذہب پر فتوی دینے سے پہلے مفتی اُس مسئلہ کے متعلق دوسرے مذہب میں بیان کردہ بیانات کا گہرا مطالعہ کرے۔ بہتر ہوگا کہ اُس مذہب کے علماء کے ساتھ بھی علمی گفتگو کرلی جائے۔

۴. دوسرے مذہب کے جس قول کو مفتی اختیار کرے وہ تفرد پر مبنی کوئی ایسا شاذ قول نہ ہو کہ جمہور علماء کی آراء سے ہٹ کر ہو اور جمہور علماء نے واضح طور پر اُس شاذ قول کو اختیار کرنے سے منع کیا ہو۔

اس شرط (کہ کسی سلف صالحین میں سے کسی کے تفرد کو اختیار نہ کیا جائے) کے متعلق آپ فرماتے ہیں بعض فقہاء کے ایسے تفردات رہے ہیں کہ جمہور اہل علم نے اپنے وقت میں اُن کو قبول نہیں کیا تھا بلکہ اُس کی مخالفت کی تھی۔

سلف صالحین کے تفردات سے استفادہ اور فقہی رخصتوں کے اختیار کرنے پر قدرے گرفت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سہولت کی خاطر اِن تفردات کو اختیار کرنا اور رخصتوں کے پیچھے پڑنے کو علماء نے ناپسند قرار دیا ہے۔ اس سلسلے میں مثالیں دیتے ہوئے فرمایا کہ امام اوزاعی نے فرمایا ہے کہ جو علماء کی نادر باتوں (تفردات) کو اختیار کرے گا وہ اسلام سے خارج ہو جائے گا[۲۰]۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص نبیذ کے متعلق اہل کوفہ، سماع کے بارے میں اہل مدینہ اور متعہ کے بارے میں

اہل مکہ کے اقوال کو اختیار کرتے ہوئے اِن رخصتوں پر عمل کرے تو ایسا شخص فاسق ہو گا۔ نیز معمر بن راشد کا کہنا تھا کہ جو شخص بیوی کے ساتھ پشت کے مقام پر وطی کرنے میں اہل مدینہ اور متعہ اور بیع صرف کے بارے میں اہل مکہ اور نشہ کے بارے میں اہل کوفہ کے اقوال کو اپنائے تو یہ اللہ کے تمام بندوں میں سے بُرا بندہ ہو گا[۲۱]۔

۵. جب کسی دوسرے مذہب فقہیہ کے قول کو اختیار کیا جائے تو اُس کے تمام متعلقہ شرائط کی رعایت رکھی جائے تا کہ ایسا عمل ایک ہی مسئلہ میں تلفیق[۲۲] کی طرف نہ جائے۔

مذکورہ بالا شرائط کا علمی جائزہ

یہ حقیقت ہے کہ انفرادی و اجتماعی ضروریات و ابتلاءعام کی وجہ سے احناف کا عمل یہی ہے کہ وہ دوسرے فقہی مذہب کے مطابق فتوی دے دیا کرتے تھے بلکہ بسا اوقات احناف ہی میں سے متاخرین نے اپنے متقدمین اسلاف کے قول کے خلاف ضرورت و ابتلاءعام کی وجہ سے فتاویٰ دئے ہیں جیسا کہ مولانا تقی صاحب نے اِس کی کئی مثالیں ذکر کی ہیں، لیکن مفتی تقی عثمانی مد ظلہ العالی کے بیان کردہ شرائط کی مزید تفصیل و وضاحت درکار ہے، ورنہ ان شرائط کی تعمیل ناممکن حد تک مشکل ہو گی مثلاً:

شرط اول کے مطابق حاجتِ شدیدہ کو فتوی علی مذہب الغیر کے لیے ضروری بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ ضرورت اِس بات کی ہے کہ احناف فقہاء نے اپنے اپنے وقت میں اور ماضی قریب میں مولانا اشرف علی تھانویؒ نے (جن کا ذکر مولانا تقی عثمانی صاحب نے بھی کیا ہے) خود دوسرے مذاہب کے مطابق جو فتاوٰی دیے ہیں اُن کو مد نظر رکھتے ہوئے حاجتِ شدیدہ کی وضاحت ہو اور اس کے حدود بیان کئے جائیں، کیونکہ ضرورت

اور حاجت ایک امر اعتباری ہے اور امر اعتباری کا تعین کرتے ہوئے معاشرے کے مختلف افراد کے انفرادی حالات کو مد نظر رکھنا ہو گا۔

شرط دوم کے مطابق قرار دیا گیا ہے کہ مفتی دوسرے مذاہب فقہیہ کے علماء سے بھی رجوع کرے یعنی مکالمہ کرے اور دوسرے مذہب کی محض ایک دو کتابوں کے مطالعہ پر اکتفانہ کیا جائے بلکہ ممارست حاصل کی جائے۔

مذکورہ شرط کو اگر حقیقت الحال کے پیمانے میں دیکھا جائے تو ہمارے مدارس کے پورے درسیات میں یا کم از کم تخصص کے نصاب و نظام میں طلبہ کو دوسرے فقہی مذاہب کی عام کتب کا تو کیا، چند اہم بنیادی کتب کا بھی مطالعہ نہیں کرایا جاتا۔ البتہ سارا زور ہر فقہی جزئیہ میں فقہ حنفی کو ترجیح دینے پر صَرف کیا جاتا ہے۔ اِسی طرح اِس شرط کے تحت دوسرے مذاہب کے ماہرین سے مراجعت و مکالمہ کا کہا گیا ہے جب کہ حقیقت ہے کہ ہمارے وطن عزیز میں موجود فقہی مسالک و مذاہب کے حضرات سے بھی باہمی استفادہ کے لئے رجوع و مکالمہ کا جو رجحان ہے وہ کسی تبصرے کا محتاج نہیں۔

چوتھے شرط کے تحت اسلاف کے تفردات سے حتی الامکان احتراز کا کہا گیا ہے۔ اس سلسلے میں جن مقدمین کے اقوال ذکر کئے گئے ہیں اگر اُن کا تحقیقی جائزہ لیا جائے تو اُن میں سے کئی مسائل کی نسبت اُن علماءِ دین کی طرف محققین کے ہاں درست نہیں [۲۳] تاہم تفردات سے کلی طور پر بے توجہی برتنا علمی و عملی اعتبار سے کئی ایک سوال اٹھنے کا باعث ہو گا۔ اس لئے مناسب ہو گا کہ سلفِ صالحین کے تفردات کے بارے میں کسی بھی افراط و تفریط سے ہٹ کر معتدل رویہ پر غور ہو۔ مزید یہ کہ اگر فقہی سرمایہ کا مطالعہ کیا جائے تو کئی علماء کے تفردات کو اگر اُن کے زمانے میں اگر قبولیت حاصل

نہیں ہوئی تو چونکہ اسلاف کے اُن تفردات کی بنیاد قرآن وحدیث میں غور وفکر کرنے اور درست درایت کو استعمال کرنے پر تھی اس لئے ما بعد کے ادوار میں ایسے ہی تفردات کی بنیاد پر فرد و معاشرے کو پیش آمدہ مسائل کا حل پیش کیا جاسکتا ہے، اگر فقہی سرمایہ کا بالاستیاب مطالعہ کیا جائے تو اس کے کئی ایک شواہد سامنے آسکتے ہیں۔ اس سلسلے میں امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے تفردات کی مثال بھی دی جاسکتی ہے، اس لئے علی الاطلاق اسلاف کے تفردات سے اجتناب کی تجویز ایک بڑے علمی سرمایہ سے محرومی کا باعث بن سکتی ہے۔

جہاں تک شریعت کی رخصتوں کو تلاش واختیار کرنے کی بات کی گئی ہے تو شریعت نے از خود بھی فرد کی انفرادی حیثیت کو دیکھتے ہوئے کئی امور میں رخصتیں دی ہیں اس لئے علی الاطلاق رخصتوں سے تو صَرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا تاہم قدیم فقہی سرمایہ سے استفادہ کرتے ہوئے معاصر ضروریات و تقاضوں کی خاطر رخصت کے حدود وقیود کا جائزہ لینا مناسب ہو گا۔

مذکورہ بالا شرائط کا جائزہ اور معاصر مسائل وضروریات کے ساتھ اِن کی عملی تطبیق اس لئے بھی ضروری ہے کہ یہ حالات کا بھی تقاضہ ہے، اس سلسلے میں وختامه مسك کے مصداق مولانا تقی عثمانی مدظلہ العالی کا ہی درج ذیل بیان پیش کرنا مناسب ہو گا:

> "وقد تعقدت في عصرنا المعاملات، وكثرت فيها حاجات الناس، ولا سيما بعد حدوثِ الصناعات الكبيرة، وشيوعِ التجاةِ فيما بين البلدان والأقاليم، فينبغي للمفتي أن يسهل على الناس الأخذ بما هو أرفق فيما تعم به البلوى، سواء كان في مذهبه أو في غير مذهبه من المذاهب الأربعة."[٢٤]

ترجمہ: "ہمارے دور میں معاملات کی شکلیں پیچیدہ ہو گئی ہیں اور ان معاملات میں لوگوں کی ضروریات بڑھ گئی ہیں اور ان معاملات کی پیچیدگی بڑی بڑی صنعتوں کے سامنے آنے اور تجارت کے مختلف شہروں اور براعظموں کے درمیان پھیلنے کے بعد تو خصوصاً زیادہ ہو گئی ہے اس لئے مفتی کے لئے مناسب یہ ہے کہ عام ابتلاء کی حالت میں لوگوں کی سہولت کے لئے اُس مسئلہ کو اختیار کرے جس میں نرمی ہو، چاہے یہ سہولت و نرمی مفتی کے اپنے مذہب فقہیہ میں ہو یا اس کے اپنے مذہب کے علاوہ چاروں مذاہب میں سے کسی اور مذہب میں ہو"۔

حقیقت یہ ہے کہ تجارتی معاملات کی طرح معاشرتی، سماجی اور سیاسی روایات و اقدار بھی بدل گئے ہیں اور سماج و معاشرت کے مسائل کی نئی نئی صورتیں سامنے آرہی ہیں۔ اس لیے تجارت کے لیے مفتی کو جس اختیار کی تجویز کھلے دل سے دی جارہی ہے، عبادات، معاشرتی، سماجی اور سیاسی میدان میں بھی ایسا رویہ برتنا قرین مصلحت ہو گا کیونکہ بڑے بڑے تجارتی معاملات کے ساتھ معاشرے کے عام افراد کا اِس قدر براہِ راست واسطہ نہیں پڑتا جس قدر سماجی و معاشرتی مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

حالت دوم: قوت دلیل کی بنیاد پر مفتی کا مذہب غیر پر فتوی دینا

ائمہ مجتہدین نے جن مسائل کا استنباط کیا ہے، ان کی اصل بنیاد قرآن اور سنت نبویہ پر رہی ہے۔ قرآن و حدیث کو شریعت اسلامی کے مصادر اصلیہ و فرعیہ میں

اولیت حاصل ہے۔ دورِ تدوین میں مختلف شہروں کی علمی حیثیت، اُن شہروں میں اہل علم کی موجودگی، درس و تدریس کے شغل اور مجالس علمیہ و مدارس کی فراوانی میں یکساں نہیں تھی۔ پھر صحابہ کرام بھی مختلف علاقوں میں دین کی نشر و اشاعت کے لیے پھیل گئے تھے۔ اس کے ساتھ تصنیف و تالیف کی وہ سہولتیں نہیں تھیں جو طبع خانوں کے باقاعدہ قیام کے بعد حاصل ہوئیں، اِن تمام امور کو مدنظر رکھا جائے تو عین ممکن ہے کہ کسی مسئلہ میں ایک مجتہد نے اس لئے اجتہاد کیا ہو کہ اس مسئلے کے متعلق اصول روایت و درایت کے پیمانے پر پوری اترنے والی حدیث اس تک نہ پہنچی ہو۔ امام ابو حنیفہؒ کو بھی اس امر کا بخوبی ادراک تھا لہٰذا مسائل میں بھرپور اجتہادات کرنے کے باوجود فرماتے کہ إذا صح الحديث فهو مذهبي[۲۵]۔ مولانا تقی عثمانی فرماتے ہیں کہ یہ قول ائمہ اربعہ سے بھی نقل کیا گیا ہے۔ ابن عابدین شامی کے حوالے سے مزید فرماتے ہیں

:إذا صح الحديث و كان على خلاف المذهب ، عمل بالحديث، و يكون ذلك مذهبه ، ولا يخرج مقلده عن كونه حنفيا بالعمل به.[۲۶]

(جب حدیث صحت کے معیار پر ہو اور وہ فقہی مذہب میں بیان کردہ کسی مسئلہ کے خلاف ہو تو حدیث پر ہی عمل کیا جائے گا اور اس عمل کو امام صاحب کا مذہب ہی شمار کیا جائے گا اور امام کے قول کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کرنے والے کا یہ عمل حنفیت کے مقلد ہونے سے اسے نہیں نکالے گا)۔

مذکورہ بیان علمائے احناف کا اتفاقی فیصلہ ہے، اس کے پس منظر میں مولانا فرماتے ہیں:

"الحالة الثانية التي يجوز فيها العمل والإفتاء بمذهب الغير أن يكون المفتي متبحرًا في المذهب، عارفاً بالدلائل، له نظر عميق في القرآن والسنة، و إن لم يبلغ درجة الاجتهاد، ولكنه يطلع على حديث صحيح واضح الدلالة، ولا يجد له معارضاً إلا قول إمامه، فحينئذ يسوغ له الأخذ بقول مجتهد عمل بذلك الحديث".[۲۷]

ترجمہ: "دوسری حالت جس میں ایک مقلد کو دوسرے فقہی مذہب پر عمل اور فتوی دینے کی اجازت ہے کہ مفتی اپنے مذہب کا متبحر عالم ہو، دلائل کا ماہر ہو، قرآن و سنت پر اس کی گہری نظر ہو گو کہ اجتہاد کے درجے تک نہ پہنچا ہوا ہو لیکن اپنے مفہوم و مدعیٰ پر کھلے طور پر دلالت کرنے والی صحیح حدیث کی واقفیت رکھتا ہو اور اس حدیث کے تعارض میں صرف اُسے اپنے ہی امام کا قول ملے تو ایسی صورت میں مقلد مفتی کے لیے گنجائش ہے کہ وہ اس مجتہد کے قول کو اختیار کرے جس نے اس حدیث پر عمل کیا ہو"۔

مذکورہ حالت کے شرائط کا علمی جائزہ

درج بالا عبارت کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کی رائے میں امام کے قول کے مقابلے میں صحیح حدیث پر عمل کرنے اور فتوی دینے کے لیے مفتی میں اِن امور کا پایہ جانا ضروری ہے: وہ علم کے اُس مقام پر پہنچا ہو کہ اس کے لیے "متبحر" کا لفظ

بطور کنایہ استعمال کیا جاسکتا ہو کہ فلاں مفتی تو علم کا دریا ہے۔ مذاہب فقہیہ کے دلائل کا ماہر ہو۔ اجتہاد کے درجے تک گو کہ نہ پہنچا ہوا ہو لیکن قرآن و حدیث کا گہرا مطالعہ رکھتا ہو۔ نیز اس حدیث صحیح کا مخالف فقہی قول صرف مفتی کے اپنے ہی امام کا ہو، تمام ائمہ کا نہ ہو۔

حقیقت ہے مذکورہ بالا تمام شرائط کو سامنے رکھ کر شاید ملک بھر میں اِن صلاحیتوں کے حامل مفتیان کرام کی تعداد ہاتھ کی انگلیوں کی گنتی کے برابر بھی نہ ملے۔ موجودہ دور کے ذخیرہ احادیث پر اس قدر زیادہ کام ہوا ہے کہ جہاں پہلے ایک حدیث کی تخریج پر مہینوں لگتے تھے، اب اُن کی تخریج لمحوں میں ہو جاتی ہے بلکہ اَب تو احادیث پر اصول حدیث کے مطابق صادر کردہ حکموں کے ساتھ احادیث کے مجموعے پر نظر انگلی کی ایک جنبش سے ممکن ہے۔ اس لیے اصولی طور پر تو یہ فقہاء امت کا اجتماعی فیصلہ ہے کہ صحیح حدیث کو کسی بھی مجتہد کے قول پر ترجیح حاصل ہے لیکن مفتی تقی عثمانی کے بیان کردہ مذکورہ بالا شرائط عملی طور پر مفتی کو اپنے مذہب کے امام کے قول کے مقابلے میں صحیح حدیث کو عمل و فتوی کے لیے اختیار کرنے میں کئی ایک ایسی بندشوں کا پابند قرار دیتے ہیں کہ جن کی تکمیل کو حقیقت کا جامہ پہنانا ناممکن قرار دیا جاسکتا ہے۔

مقالہ نگاران کا خیال ہے کہ اس قدر کڑے شرائط کی ترتیب سے یہ احتیاط پیشِ نظر ہو گی کہ ایک سالہ یا دو سالہ تخصص فی الافتاء کی تکمیل کر کے رسمی طور پر افتاء کی سند حاصل کرنے والے ہر فاضل (جب کہ اسے فقہ کے قدیم سرمایہ پر گہری نظر تو

کیا، قدرے سخت علمی اردو زبان میں لکھے گئے کتبِ فتاویٰ کے فہم میں بھی دشواری پیش آتی ہو) کو یہ اختیار دینا قطعی معقول نہیں کہ اس کے ہاتھ میں فتوی علی مذہب الغیر کا آزاد نہ اختیار دیا جائے۔ تاہم اس کے ساتھ ہی ضرورت اس بات کی بھی ہے کہ سخت شرائط کی بنیاد پر خارج میں رؤیہ مثالیہ کے وجود کی پابندی کو ضروری قرار نہ دیا جائے بلکہ رؤیہ واقعیہ کی بنیاد پر اِن شرائط کی تنظیم فرمائی جائے۔

حالتِ سوم: حکومت کی طرف سے مقرر کردہ قاضی کے خلافِ مذہب فیصلے کی بنیاد پر افتاء

مولانا تقی عثمانی صاحب اس صورت میں بھی مفتی کو مذہب غیر پر فتوی دینے کے اختیار کے حق میں ہیں کہ اگر ایسی صورتِ حال کا سامنا ہو کہ حکومتِ وقت نے کسی ایسے شخص کو قاضی (جج) مقرر کیا ہو جو اجتہاد کے درجے پر فائز ہو لیکن حکومت نے اسے کسی خاص فقہی مذہب کے مطابق فیصلہ دینے کا پابند قرار نہ دیا گیا تو ایسا قاضی جو فیصلہ صادر کرے، اگر وہ مفتی کے مذہب کے خلاف بھی ہو تب بھی مفتی کو یہ اختیار ہے کہ جب اس سے فتوی طلب کیا جائے تو اُس مسئلہ میں وہ قاضی ہی کے قول پر اپنے مذہب سے ہٹ کر دوسرے مذہب کے مطابق فتوی دے۔[۲۸]

مولانا تقی عثمانی نے مذکورہ مسئلہ پر قدیم فقہی سرمایہ کی رو سے تفصیلی روشنی ڈالی ہے اور اس اختیار کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"والحكمة في ذلك أنّ القضاء عهد في الشريعة قاطعاً للنزاع، فوجب أن يقطع النزاع مهما أمكن، ولما كان المسألة تختلف فيها آراء المجتهدين، فلو فتحنا باب نقضِ القضاء على أساس الآراء المختلفة، لبقيَ النزاعُ إلى ما لا نهاية له..إلا إذا كان مخالفا للنصوص القطعية أو الإجماع، فلا سبيل إلى إقراره، لأنه يدخل حينئذ في الحكم بغير ما أنزل الله تعالى".[۲۹]

ترجمہ: "اس میں حکمت یہ ہے کہ شریعت میں تنازعات کے ختم کرنے کے لیے نظام قضاء طے کیا گیا ہے لہذا مزاجِ شریعت کو دیکھتے ہوئے جس قدر ممکن ہو تنازعات کو ختم کیا جائے۔ اگر کوئی مسئلہ ایسا ہو جس میں مجتہدین کے آراء باہم مختلف ہوں اور مختلف آراء کی بنیاد پر قاضی کے صادر کئے ہوئے فیصلوں کو ختم کرنے کا دروازہ کھول دیا جائے تو اِن تنازعات کا سلسلہ کا خاتمہ کبھی نہیں ہو پائے گا۔۔۔ہاں اگر قاضی کا فیصلہ دین کے قطعی نصوص قرآن و حدیث اور امت کے اجماع کے خلاف ہو تو پھر مفتی کے لیے ایسے فیصلے کو باقی رکھنے کی کوئی اجازت نہیں کیونکہ پھر اُس یہ عمل اللہ کے نازل کئے ہوئے دین کے خلاف قرار دیئے جانے والے حکم میں داخل ہو گا"۔

مضمون کا خلاصہ

اسلام نے کائنات کے ساتھ ساتھ دینیات میں بھی غور و فکر کی نہ صرف تعریف کی ہے بلکہ حوصلہ افزائی بھی کی ہے۔ غور و فکر سے کام نہ لینے والوں کا تذکرہ قرآن نے اچھے انداز میں نہیں کیا ہے۔ اس تناظر میں ہمارے اسلاف نے قرآن و حدیث میں بھرپور درایت سے کام لیا اور اس طرح ان کے اجتہادات کی بنیاد پر مختلف فقہی مذاہب وجود میں آئے۔ عالمی سطح پر اِس فکری رجحان کو پذیرائی مل رہی ہے کہ

مختلف مذاہب فقہیہ میں صرف ایک ہی مذہب پر جمود اختیار نہ کیا جائے بلکہ عصری تقاضوں اور فرد و معاشرے کی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے دیگر مذاہب فقہیہ سے گریز کے بجائے اُن سے استفادہ کا رجحان اختیار کیا جائے اور ضرورت و حاجت کی بنیاد پر فتوی علی مذہب الغیر (دوسرے فقہی مذہب کے مطابق فتوی دینے) میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ کی جائے۔

مفتی تقی عثمانی اندرون ملک کے ساتھ ساتھ بیرون مسلم ممالک میں بھی افتاء کے میدان میں ایک معتبر مقام رکھتے ہیں، اہل سنت والجماعت کے چاروں فقہی مذاہب کے بارے میں آپ کا اساسی بیانیہ ہے کہ یہ تمام فقہی مذاہب اسلامی شریعت کے قابل قبول مختلف تعبیرات ہیں۔ شریعت کسی ایک ہی فقہی مذہب میں منحصر نہیں ۔ تمام فقہی مذاہب حق ہیں اور اُن میں کسی ایک پر بھی کسی قسم کا طعن نہیں کیا جاسکتا یا کم تر درجے کا قرار نہیں دیا جاسکتا ہے۔ یہ مذاہب شریعت پر عمل کرنے کے مختلف صحیح راستے ہیں لہذا اِن میں سے کوئی شخص جس راستے کو بھی اختیار کرے تو یہی کہا جائے گا کہ اُس نے بالکل درست راستہ کو اختیار کیا ہے۔ مذکورہ بنیاد پر مفتی تقی عثمانی ایک مفتی کے لئے اس بات کی حوصلہ افزائی فرماتے ہیں کہ جہاں ضرورت شدیدہ، عموم بلوہ، ملکی عدالتی نظام کی پابندی اور دوسرے مذہب کی تائید میں صحیح حدیث کی بنیاد ہو تو ان حالات میں مفتی کے لئے گنجائش ہے کہ وہ دوسرے مذہب کے مطابق فتوی دے، تاہم اس کے لئے مخصوص مطلوب شرائط کی پابندی ضروری ہے تاکہ اس طرح فتوی علی مذہب الغیر کی کھلی اجازت شریعت اسلامی کے حدود سے گلو خلاصی کا عمل نہ بن

جائے۔ مولانا تقی عثمانی نے اس طرح قدیم فقہی سرمایہ اور معاصر ضروریات میں تطبیق کی ایک اچھی کاوش پیش فرمائی ہے اور اس تطبیق کے تحت کئی ایک عصری مسائل خصوصاً کاروبار و مالیاتی نظام میں علامہ تقی عثمانی صاحب نے بھرپور استفادہ کی طرف عملی رہنمائی فرمائی ہے تاہم عبادات و سماجی مسائل کے سلسلے میں آپ کے پیش کردہ شرائط میں نسبتاً سختی کا عنصر محسوس ہوتا ہے۔

نتائج بحث

مقالہ ہذا میں پیش کردہ بحث کے تحت درج ذیل نتائجِ بحث سامنے آتے ہیں:

۱: مفتیان کرام عام طور پر کسی ایک ہی فقہی مذہب کی بنیاد پر فتوی دیتے ہیں اور دوسرے فقہی مذاہب کے مطابق فتوی دینے سے نہ صرف گریز کرتے ہیں بلکہ اِسے حسن نظر سے بھی نہیں دیکھتے، اُن کا ایسا عمل بسا اوقات فرد کے لیے انتہائی دشواری کا باعث بن جاتا ہے۔

۲: قرآن و حدیث اور تعامل نبوی سے کسی بھی معاملے کے دو راستوں میں سے آسان پہلو کو اپنانے کی راہنمائی ملتی ہے۔

۳: تمام مجتہدین کے فقہی مذاہب شریعت ہی کی مختلف تعبیرات ہیں اور اِن مذاہب میں کسی ایک پر بھی انگلی اٹھانے کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ دینی نصوص کے مراد تک رسائی اور اُن سے احکام نکالنے میں ہر مجتہد نے اپنی مکمل طاقت کو استعمال کیا ہے چنانچہ شریعت کسی ایک امام کی طرف منسوب مذہب میں منحصر نہیں ہے۔

۴: معاصر پیچیدہ کاروباری معاملات میں زیادہ کڑے شرائط کے بغیر علامہ تقی عثمانی مفتی کو فتوی علی مذہب الغیر کی اجازت دیتے ہیں، لیکن عبادات، سماجی و معاشرتی مسائل میں سخت شرائط کی پابندی کا فرماتے ہیں۔

۵: مفتی تقی عثمانی کی رائے کے مطابق جہاں ضرورت شدیدہ، عموم بلوہ، ملکی عدالتی نظام کی پابندی اور دوسرے مذہب کی تائید میں صحیح حدیث کی بنیاد ہو تو ان حالات میں مفتی کے لئے گنجائش ہے کہ وہ دوسرے مذہب کے مطابق فتوی دے، تاہم اس کے لئے مخصوص مطلوب شرائط کی پابندی ضروری ہے تاکہ اس طرح فتوی علی مذہب الغیر کی کھلی اجازت شریعت اسلامی کے حدود سے گلوخلاصی کا عمل نہ بن جائے۔

٦: مقالہ نگاران کے خیال میں فتوی علی مذہب الغیر کے سلسلے میں مولانا کے بیان کردہ شرائط میں سختی کا عنصر غالب ہے لہٰذا یسر، مصلحت عامہ اور مقاصد شریعت کے رعایت کی بنیاد پر ان شرائط کے مناسب نظر ثانی کی ضرورت ہے۔

حواشی وحوالہ جات

[1] مولانا تقی عثمانی: آپ ۱۲ اکتوبر ۱۹۴۲ کو ہندوستان کے تاریخی قصبہ دیوبند میں پیدا ہوئے۔ آپ مختلف اوقات میں ملک کے وفاقی شرعی عدالت اور عدالت عظمی کے شریعت اور اپلیٹ بینچ کے جج کے عہدہ پر فائز رہے ہیں۔ فقہ اکیڈمی جدہ کے نائب صدر، دار العلوم کراچی کے نائب مہتمم اور کئی اسلامی بینکوں کے مشیر بھی ہیں۔ اسلامی بینکاری کے سلسلے میں آپ نے ایک نظام ترتیب دیا ہے جسے اسلامی فقہ اکیڈمی جدہ نے منظور کیا ہے۔ آپ کا شمار ملکی و بین الاقوامی سطح پر معتبر علماء میں ہوتا ہے۔ فن افتاء میں آپ کی عربی تصنیف "أصول الافتاء و آدابه "دارالعلم دمشق سے ۲۰۱۴ میں طبع ہوئی ہے۔ آپ تین جلدوں پر مشتمل آسان ترجمہ قرآن (توضیح القرآن) کے علاوہ ایک درجن سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں۔ تفصیلی حالات زندگی کے لیے ملاحظہ ہو: مولانا کی خودنوشت سوانح "یادیں"، قسط وار ماہنامہ البلاغ، جامعہ دار العلوم کراچی، شعبان ۱۴۴۰ھ

[٢] اسلام میں عدل و قضاء کا تصور، شہزاد اقبال شام، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، طبع چہارم ۲۰۱۳، ص:۷-۹

[٣] الفقه الإسلامی و أدلته ، أ.د. وَهْبَة الزُّحَيْلِيّ، دار الفكر دمشق، طبع اول، المطلب السادس : الضوابط الشرعية للأخذ بأيسر المذاهب، ج:١، ص: ٦٩

[٤] سورة النحل :١٦: ٤٣؛ سورة الأنبياء: ٢١: ٧

[٥] الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول الله صلى الله عليه وسلم وسننه وأيامه = صحيح البخاري، محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي، دار طوق النجاة ،حدیث نمبر:٦٧٨٦،ج:٨، ص:١٦٠

[٦] مسند الإمام أحمد بن حنبل،أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل الشيباني (المتوفى: ٢٤١هـ)، مؤسسة الرسالة، ط: 1، ١٤٢١ هـ - ٢٠٠١ م ،حدیث نمبر: ٢٢٢٩١

[٧] صحيح البخاري،حدیث نمبر:٦٩،ج:١،ص:٢٥

[٨] نفس المصدر ، حدیث نمبر:٣٩،ج:١،ص:١٦

[٩] الفقه الإسلامی و أدلته، المطلب السادس : الضوابط الشرعية للأخذ بأيسر المذاهب، ج:١، ص: ٦٩

[١٠] أصول الافتاء و آدابه، دارالعلم دمشق ، ط: 1، ٢٠١٤ ،ص ٢٤٣

[١١] نفس المصدر، ص:٢٤٣

[١٢] سورة النحل :١٦: ٤٣؛ سورة الأنبياء: ٢١: ٧

[١٣] فتح الباري شرح صحيح البخاري، أحمد بن علي بن حجر العسقلاني الشافعي، دار المعرفة - بيروت، ١٣٧٩ هـ،ج:٣،ص:٥٨٨

[١٤] آپ کا اصل نام عبد اللہ بن ثوب ہے، مشہور تابعی اور فقیہ ہیں۔ آپ کا تعلق یمن سے تھا۔ آپ کی وفات دمشق میں ٦٢ ہجری مطابق ٦٨٢م میں ہوئی (فوات الوفیات، صلاح الدین، محمد بن شاکر بن احمد بن عبد الرحمن، دار صادر ، بیروت، طبع اول، ج:٢، ص:١٦٩)۔

[١٥] مسند الإمام أحمد بن حنبل،حدیث نمبر:٢٢٠٦٤،ج:٣٦،ص:٣٨٤

[١٦] أصول الإفتاء و آدابه، ص:٧٧

[١٧] نفس المصدر ، ص ٢٤٣

[١٨] نفس المصدر ، ص ٢٤٤

[١٩] نفس المصدر ، ص٢۴٦

[٢٠] تذكرة الحفاظ، شمس الدين أبو عبد الله محمد بن أحمد بن عثمان الذهبي (المتوفى: ٧٤٨هـ)، دار الكتب العلمية بيروت-لبنان، طبع اول،١٩٩٨م،ج:١،ص:١٣٥

[٢١] لوامع الأنوار البهية وسواطع الأسرار الأثرية لشرح الدرة المضية في عقد الفرقة المرضية، شمس الدين، أبو العون محمد بن أحمد بن سالم السفاريني الحنبلي (المتوفى : ١١٨٨هـ)، مؤسسة الخافقين ، دمشق، طبع دوم، ١٩٨٢م، ج:٢، ص:۴٦٦

[٢٢] تلفیق کا سادہ مفہوم یہ ہے کہ مبتلی بہ کی ضرورت و حاجت کے بناء پر اپنے مخصوص فقہی مذہب کے بجائے دوسرے فقہی مذہب پر فتویٰ دیا جائے۔ تلفیق کے جائزہ و ناجائز حدود کے بارے میں ایک وافر فقہی ذخیرہ موجود ہے۔ اسلامی فقہ اکیڈمی جدہ نے اپنے آٹھویں اجلاس (منعقدہ محرم ١۴١۴ھ) میں ایک قرار داد بھی منظور کی ہے (فتوی: تعارف، اصول، آداب، مولانا منصور احمد، ادارہ اسلامیات کراچی، ط:١، ١۴٣٦ھ ، ص:٢۵٢)

[٢٣] أصول الإفتاء و آدابه کا اردو ترجمہ (فتوی: تعارف، اصول ، آداب)، مترجم مولانا منصور احمد ، ادارہ اسلامیات کراچی، ط:١، ١۴٣٦ھ ، ص:٩٨

[٢٤] أصول الإفتاء و آدابه، ص: ٢۴۵

[٢٥] رد المحتار على الدر المختار، ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين الدمشقي الحنفي (المتوفى: ١٢٥٢هـ)، دار الفكر، بيروت، طبع دوم، ١۴١٢ھ / ١٩٩٢م، ج:١، ص:٦٧

[٢٦] أصول الإفتاء ، ص: ٢۵٩، ٢٦٠

[٢٧] نفس المصدر ، ص: ٢۵٩

[٢٨] نفس المصدر ، ص: ٢٦٣

[٢٩] نفس المصدر ، ص: ٢٦۴